سمیع اللہ قریشی

کلامِ اقبال میں حسینؓ اور شہادتِ حسینؓ کا مقام

شاعری میں اقبال کے بے شمار اوصاف میں سے ایک نمائندہ وصف یہ ہے کہ ان کے ہاں مستعمل بیشتر استعارے اور علامتیں اپنا اسلامی پس منظر رکھتے ہیں اور ان کی جڑیں اسلام کے آفاقی نظریۂ حیات سے غذا حاصل کرتی ہیں - یہی استعارے اور علامتیں اقبال کی فکر میں عالمگیر انسانی قدروں میں ڈھل کر خود اقبال کو ایک آفاقی انسانی شاعر کا درجہ عطا کرتی ہیں - وہ تمام وجود ، جو اسلام کا ورثہ تھے اور جنھوں نے اسلام کو خوب صورت بنایا ، اقبال کو ہمیشہ محبوب رہے - اقبال کی شاعری میں یہ ہستیاں بھی ایسی اقدار کا حکم رکھتی ہیں جو کسی ایک طبقے یا خطے کے جسمانی اور ذہنی ارتقا کی ذمہ دار نہ تھیں بلکہ تمام تر انسانیت اور پوری دنیا کو کئی قدم آگے لے جانے کا باعث ہوئیں - چنانچہ ان کا وجود اور ان کا قول و فعل کسی ایک قوم یا خطے کی پہچان نہیں بلکہ اقوامِ عالم اور تمام خطۂ ارضی ان پر ناز کر سکتے ہیں ، اس لیے کہ مسلمہ انسانی اقدار کی محافظت اور بحالی میں ان کی کوششوں کو بھی دخل تھا - اقبال کا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے ذہن اور ضمیر کو مصلحت اور خوف کی زنجیروں سے آزادی دلانے والی مسلمان ہستیوں کو اپنے شعر کے حوالے سے دنیا بھر کے فکری سرمائے کا حصہ بنا دیا - ان محسنینِ انسانیت ہستیوں میں سے ایک حسینؓ ہے جو اقبال کی فکر میں ایک نام ہی نہیں ، ایک نہ مٹنے والی قدر بھی ہے -

اقبال نے اپنے افکار میں حق کو دینِ حق یعنی اسلام کے مترادف قرار دیتے ہوئے دینِ حق کو حسینؓ کی قربانی سے زندہ و پائندہ قرار دیا ہے - ان کے کلام میں قوتِ شبیری اور حسینؓ کے الفاظ محض ناموں کی حیثیت ہی سے نہیں بلکہ حق و حریت کے لیے آفاقی علامتوں کے طور پر بھی استعمال ہوئے ہیں :

زندہ حق از قوتِ شبیری است باطل آخر داغِ حسرت میری است

حسین اقبال کی نظر میں صبر و ثبات کی تصویر اور عزم و استقلال کا پیکر تھے - انھوں نے راہِ حق میں وفاداری اور جاں بازی کی ایک زندۂ جاوید روایت قائم کی تھی - ان کی پاک سیرت کی انہی خصوصیات کی بنا پر اقبال نے انھیں اپنی فکر کا موضوع بنایا - وہ تمام عمر عشقِ رسولؐ کو اپنا سرمایہ سمجھا کیے - ذکرِ حسین کو بھی انھوں نے اپنی اسی واردات کا ایک حصہ خیال کیا - اقبال کو خانوادۂ رسول کے ہر فرد سے بے پناہ محبت تھی - اس محبت کو وہ جزوِ ایمان خیال کرتے تھے - ان کی نظر اگر معیاری ماں کی تلاش کے لیے اٹھتی ہے تو حضرت فاطمۃ الزہراؓ ہی پر آ کے ٹھہرتی ہے - انھیں یقین ہے کہ خدا کی ذات سے مسلمان عورت کو تربیتِ اولاد کے لیے جو اعلیٰ و ارفع جذبے عطا ہوتے ہیں ان کا مثالی مظہر ذاتِ فاطمہؓ ہے - مسلمان ماں کو جو پیغام بھی انھوں نے دیا ہے حضرت فاطمہؓ ہی کے حوالے سے دیا ہے جس نے حسین جیسی قد آور شخصیت کو جنم دے کر ہر دور کے لیے گویا اسلام کی نشأۃ ثانیہ کے سامان کر دیے - وہ نسائیت کے لیے اسوۂ کاملہ ہیں - اقبال کی آنکھ عالمِ نسواں میں عورت سے پرے خاتونِ جنت کو دیکھتی ہے اور انہی کی ذات میں صحیح امومت پاتی ہے :

از امومت گرم رفتارِ حیات — از امومت کشفِ اسرارِ حیات
سیرتِ فرزندہا از امہات — جوہرِ صدق و صفا از اُمہات
مزرعِ تعلیم را حاصل بتول — مادراں را اسوۂ کامل بتول
فطرتِ تو جذبہ ہا دارد بلند — چشمِ ہوش از اسوۂ زہرا مبند
تا حسینے شاخِ تو با آورد — موسمِ پیشیں بگلزار آورد

اور قوم کی بیٹیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں :

اگر پندے ز درویشے پذیری — ہزار امت بمیرد تو نہ میری
بتولے باش و پنہاں شو ازیں عصر — کہ در آغوش شبیرے بگیری

حسین نے انسان کی تاریخ کو اپنے جس کارنامے سے اعزاز بخشا وہ بہت پہلودار ہے - اس کا ایک رخ یہ بھی ہے کہ انھوں نے اپنے کردار و عمل سے فاطمہؓ کی آغوش کا وقار قائم کیا اور اپنی عظیم ماں کی تربیت پر حرف نہ آنے دیا - انھوں نے صالح اولاد ہونے کا حق ادا کر دیا اور دشتِ کربلا میں غلط سوچ اور غلط سیادت کے خلاف سینہ سپر ہو کر اس طرح اثباتِ حق کیا کہ قیامت تک نوجوانوں کے لیے دلیلِ راہ بن گئے - اقبال کو ان کے کردار میں سعیٔ پیہم ، طلبِ صادق اور اخلاصِ عمل ، مقصدِ حیات سے وفاداری اور بے لوث

قربانی کی اقدار زندہ و پائندہ نظر آئیں تو انھوں نے بے اختیار کہا :

زندگی محکم ز تسلیم و رضا است — موت نیرنگِ طلسم و سیمیا است
ہر زماں میرد غلام از بیمِ مرگ — زندگی اُو را حرام از بیمِ مرگ
بندۂ آزاد را شانے دگر — مرگِ اُو را می دہد جانے دگر
مردِ مومن خواہد از یزدانِ پاک — آں دگر مرگِ کہ برگیرد ز خاک
آں دگر مرگ انتہائے راہِ شوق — آخریں تکبیر در جنگاہِ شوق
گرچہ ہر مرگ است بر مومن شکر — مرگِ پورِ مرتضیٰ چیزے دگر
جنگِ مومن چیست؟ ہجرت سوئے دوست — ترکِ عالم اختیار کوئے دوست

اور کہا :

آن امامِ عاشقاں پورِ بتول — سروِ آزادے ز بستانِ رسولؐ
بہر آں شہزادۂ خیر الملل — دوشِ ختم المرسلیں نعم الجمل
سرخرو عشقِ غیور از خونِ او — شوخیٔ ایں مصرعہ از مضمونِ او
درمیانِ امت آں کیواں جناب — ہمچو حرفِ قل ھو اللہ در کتاب
سرِّ ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ بود
یعنی آں اجمال را تفصیل بود

اقبال کے نزدیک عشق ہمیشہ حُسین اور حُسین جیسی اقدارِ حیات کا قائم مقام رہا :

صدق خلیل بھی ہے عشق ، صبرِ حُسین بھی ہے عشق
معرکۂ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق

یہ اس لیے کہ عشق کی حرارت کے بغیر کارزارِ حیات میں معجزے برپا کرنے کے لیے انسانی رگوں میں خون نہیں دوڑتا اور جاں سپاری اور جاں نثاری کی جرأت نصیب نہیں ہوتی ، نہ ہی آزادیٔ فکر و نظر کے متوالے سر پر کفن باندھنے کا عزم کرتے ہیں :

عقل و دل و نگاہ کا مرشدِ اوّلیں ہے عشق
عشق نہ ہو شرع و دیں بتکدۂ تصوّرات

درست اور نا درست کا معرکہ عشق کے حربے سے جیتا جاتا ہے ، کیونکہ عشق سراپا عمل ہونے کا نام ہے ۔ عشق اور ایمان گویا عمل اور ایمان ہیں اور

لازم و ملزوم ہیں :

مومن از عشق است و عشق از مومن است
عشق را ناممکن ما ممکن است
عشق را آرام جاں حریت است
ناقہ اش را ساربان حریت است

عشق سنتِ ابراہیمی ہے کہ آتشِ نمرود میں بے خطر کود پڑا اور رضائے الٰہی کو پا گیا ، یا پھر آتش کدۂ کربلا میں حُسین کو یہی توفیق حاصل ہوئی اور وہ اس امتحان میں پورے اترے ۔ مگر حُسین کو ابراہیم کا عشق اور صدق دونوں نصیب ہوئے ۔ حُسین کا عشق دونوں قدروں کا اجتماع ہے ۔ تاہم اقبال نے ان ساری علامتوں کو ایک لفظ عشق میں سمیٹا ہے اور عشق کو فکر و عمل کی دنیا میں بالکل نئے معانی عطا کیے ہیں ۔ اقبال عشق کو ایمان اور عمل سے مملو ایک ایسی کیفیت سے تعبیر کرتے ہیں جو بے کنار ہے اور جس کی کوئی حدود نہیں اور جو رضائے الٰہی کے حصول کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے ۔ عشق راستی کا علمبردار ہے اور رحم و کرم ، حق گوئی و بے باکی اور عزم و یقیں اس کے مشمولات ہیں ۔ اس کے مقابلے میں مجرد عقل ہوا کی طرح سستی اور محض اسباب و عمل پر قائم ہے ، ہمیشہ کی نمائشیت پسند ہے ۔ عشق نمائش سے گریزاں رہ کر مصروفِ عمل رہتا ہے اور ناممکن کو ممکن بنا دیتا ہے ۔ اقبال حُسین کو اسی عشقِ بلا خیز کی معراج قرار دیتے ہیں اور یہ واقعہ ہے کہ حُسین عالی مقام پروردگار کے سچے عاشقوں کے امام تھے جنھوں نے دشتِ کربلا میں اپنے ہمراہیوں ، عزیزوں حتیٰ کہ نوخیز بچوں کی قربانی دے دی اور سب سے آخر میں صرف اور صرف رضائے الٰہی کے حصول کی خاطر اپنی جان بھی خدا تعالیٰ کے حضور میں پیش کر دی اور رسولؐ کی حرمت کو بچا لیا ۔ اقبال اُن کی بے مثال قربانی کو و فدیناہ بذبحٍ عظیم کی آیتِ قرانی کا مصداق قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں :

اللہ اللہ بائے بسم اللہ پدر معنیٔ ذبحِ عظیم آمد پسر

کربلا کی شہادت ہی اولادِ ابراہیم کی ذبحِ عظیم تھی ۔ ابوالکلام آزاد نے کہا :

''حقیقت جس کا حضرت اسمٰعیلؑ کی ذات سے ظہور ہوا تھا وہ بتدریج ترقی کرتی ہوئی حضرت یحییٰؑ کی ذات تک پہنچ کر گم ہو گئی تھی ۔ اس کو حضرت حُسینؓ نے اپنی سرفروشی سے مکمل کر دیا ۔''

غریب و سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم
نہایت اس کی حسینؓ ابتدا ہے اسمٰعیلؑ

حرم کی داستان ربوبیت اور عبودیت سے عبارت ہے ۔ اسمٰعیلؑ نے ایثار کا اور اطاعت کا ایک بے مثال نمونہ انسانیت کے سامنے رکھا ہے جسے اسلام کی اساس بننے کی توفیق عطا ہوئی ۔ صدہا سالوں کے فاصلے کے بعد جب ایک دفعہ پھر اسمٰعیلؑ کے جذبۂ ایثار و اطاعتِ حق کی تجدید کا موقع پیدا ہوا تو یہ رتبۂ بلند حُسین کے حصے میں آیا اور کچھ اس طرح آیا کہ سقراط اور مسیحؑ کی قربانیاں بھی اِس کے مقابلے میں دھندلا گئیں ۔ حُسین کے تسلیم و رضا کی مثال داستانِ حرم کے سلسلے کی آخری کڑی تھی ، اگرچہ امتِ مسلمہ کے لیے اس کے بعد خدا ، ملک و قوم اور حق کی خاطر قربان ہونے کا ارادہ ختم ہو کر نہیں رہ جاتا بلکہ نئی تازگی حاصل کرتا ہے ۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ حُسین کا لافانی کردار آئندہ کے لیے دائرۂ اِمکان سے باہر ہو گیا ہے ، کیونکہ افقِ حریت و جرأت پر اسمٰعیلؑ کے ایثار کا علم ، حُسین کے تسلیم و رضا نے ، آسمان کی رفعتوں تک پہنچا دیا ۔

اسلامی تہذیب و تمدن میں جو مرکزیت توحید کو حاصل ہے کچھ ویسی ہی علامتی حیثیت درمیانِ اُمت حُسین کو حاصل ہے ۔ اگر قرآن کی حکمتوں کا مدار نکتۂ توحید پر ہے ، تو امت کی ہر لحظہ نمو پذیری کا مدار ذاتِ حُسین کی لازوال قربانی پر ہے ۔ حق و باطل کی آویزش آغازِ حیات ہی سے انسانی تاریخ کا حصہ رہی ہے ۔ یہ دونوں قوتیں قالب بدل بدل کر آمنے سامنے رزم آرا رہی ہیں اور رہیں گی ، آدم و ابلیس ، ہابیل و قابیل ، ابراہیم و نمرود اور پھر :

موسیٰ و فرعون و شبیر و یزید ایں دو قوت از حیات آمد پدید

اور

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز چراغِ مصطفویؐ سے شرارِ بولہبی

مگر حق ہمیشہ چراغِ مصطفوی اور قوتِ شبیری کے طفیل زندہ رہا ہے ۔ تاریخ شہادت دیتی ہے کہ خلافت نے بہت جلد قرآن اور سنت سے اپنا رشتہ ختم کر لیا اور ملوکیت کی نہج پر آ گئی ۔ یوں فرد کی آزادی کے حلقوم میں زہر ٹپکایا گیا اور عوام کے حقوق غصب ہونے لگے ۔ تب حُسین وہ اکیلا شخص تھا جو قوم پر اس صریح ظلم کو برداشت نہ کر سکا اور ابرِ رحمت بن کر آگے آیا ۔ اس نے کربلا کے دشت سے امتِ مسلمہ کی ہر آنے والی نسل پر حریتِ فکر و ضمیر

کی رحمتوں کی بارش برسائی اور اس بے آب و گیاہ زمین کو اپنے پاک خون سے رنگین کر کے مسلمان کے دل میں ہمیشہ کے لیے آزادی کی جوت جگا گیا ۔ نظریاتی سرحدوں کی حفاظت کرتے ہوئے ظلم اور جبر کے خلاف سید الشہدا نے اپنی جان قربان کر دی ۔ مسلمانوں میں یہ سعادتِ عظمیٰ صرف حُسین کو نصیب ہوئی کہ انھوں نے خلافتِ راشدہ کے تقدس کو اپنی ، اپنے اہل و عیال اور جان نثار احباب کی اجتماعی قربانی دے کر کربلا کے دشت میں اذیت ناک حالات کو برداشت کرتے ہوئے زندۂ جاوید کر دیا :

چوں خلافت رشتہ از قرآں گسیخت حریت را زہر اندر کام ریخت
خاست آں سر جلوۂ خیرالامم چوں سحاب قبلہ باراں در قدم
بر زمینِ کربلا بارید و رفت لالہ در ویرانہ ہا کارید و رفت
تا قیامت قطعِ استبداد کرد موجِ خونِ او چمن ایجاد کرد

حُسین انسانی ضمیر کی جد و جہد کے لیے علامت بن گئے ہیں :

در نوائے زندگی سوز از حُسین اہلِ حق حریت آموز از حُسین
حریت زاد از ضمیرِ پاک او ایں مئی نوشیں چکید از تاک او
بہر حق در خاک و خون غلطیدہ است پس بنائے لا الٰہ گردیدہ است

اعلائے کلمۃ الحق کی خاطر تمام چھوٹے بڑے مرد و عورت اور بچوں سمیت مدینہ سے روانگی کو ہرگز ہرگز حصولِ سلطنت کی نیت نہیں کہا جا سکتا ۔ کیا بے سروسامانی کی حالت میں جاگیروں پر ضرب کاری لگائی جا سکتی ہے اور سلطنتوں پر قبضے ہو سکتے ہیں ؟ اقبال نے کہا :

مدعائش سلطنت بودے اگر خود نکردے با چنیں ساماں سفر

حُسین کے دشمنوں کی تعداد صحرا کے ذروں کی طرح اَن گنت تھی اور حُسین کے ساتھی تعداد میں بہت کم تھے :

دشمناں چوں ریگِ صحرا لا تُعَدّ دوستانِ او بہ یزداں ہم عدد

حُسین کا عزم پہاڑوں کی مثال محکم تھا :

عزم او چوں کوہساراں استوار پائیدار و تند سیر و کامگار
تیغ بہرِ عزتِ دین است و بس مقصدِ او حفظِ آئین است و بس

حُسین نے اپنے عمل سے ثابت کر دیا کہ مسلمان صرف خدا ہی کی بندگی کر سکتا ہے ۔ خدا کے سوا وہ کسی بڑی سے بڑی طاقت کے سامنے بھی سرِ تسلیم خم

نہیں کر سکتا ۔ انھوں نے غلط نظریات اور باطل پرست قوتوں کے سامنے جھکنے سے انکار کر دیا ، اور فلسفۂ شہادت کی تفسیر دشتِ کربلا میں اپنے خون سے لکھ دی ۔ اسلام کے اساسی اصولوں کی حفاظت کی خاطر حُسین نے اپنی جان کی بھی پروا نہ کی ۔ ان کی شہادت نے قوم کے سوئے ہوئے ضمیر کو قیامت تک کے لیے بیدار کر دیا :

ماسوا اللہ را مسلماں بندہ نیست　　پیشِ فرعونے سرش افگندہ نیست
خون او تفسیر ایں اسرار کرد　　ملتِ خوابیدہ را بیدار کرد

حُسین کی قربانی دینے کے انداز کو اقبال بہت ہی بلیغ انداز میں پیش کرتے ہیں ۔ ان کے اشعار حُسین کی کوہِ وقار ذات کو ایک خراجِ تحسین ہے ۔ حُسین کو رہتی دنیا تک یہ امتیاز حاصل رہے گا کہ انھوں نے ماسوا کی نفی کی ۔ تلوار سے دشتِ کربلا کی ریگِ رواں پر توحید کا ایسا نقش ثبت کر دیا جسے کوئی بھی یزیدی حربہ کبھی نہ مٹا سکے گا :

تیغِ لا ، چوں از میاں بیروں کشید　　از رگِ ارباب باطل خوں کشید
نقش الا اللہ بر صحرا نوشت　　سطرِ عنوانِ نجاتِ ما نوشت
رمزِ قرآن از حُسین آموختیم　　ز آتشِ او شعلہ ہا اندوختیم

اقبال کہتے ہیں کہ شوکتِ شام ، عظمتِ بغداد اور سطوتِ غرناطہ ، سب بجا مگر وہ سب قصہ ہائے پارینہ ہوکر رہ گئے اور وہ ایک کارنامہ جسے قوم کبھی اپنے دلوں سے محو نہ کر سکے گی دشتِ کربلا میں گونجی ہوئی "حسین کی تکبیر اعلائے کلمۃ الحق ہے ۔ آج ہی نہیں ، ہر دور کے مسلمان کے ایمان کی تازگی کا سامان اسی میں ہے :

تازہ از تکبیرِ او ایماں ہنوز

اور فرمایا :

حقیقتِ ابدی ہے مقامِ شبیری　　بدلتے رہتے ہیں اندازِ کوفی و شامی

اور :

فقر چوں عریاں شود زیرِ سپہر　　از نہیبِ او بلرزد ماہ و مہر
فقرِ عریاں گرمئی بدر و حنین　　فقرِ عریاں بانگِ تکبیرِ حُسین
فقر او تا ذوقِ عریانی نماند　　آں جلال اندر مسلمانی نماند

یہ بھی کہا :

اک فقر سکھاتا ہے صیاد کو نخچیری اک فقر سے کھلتے ہیں اسرار جہانگیری
اک فقر ہے شبیری اس فقر میں ہے میری میراث مسلمانی سرمایۂ شبیری

ملت کے افراد میں حسینی صفات کا عنقا ہو جانا ایک بہت بڑا حادثہ ہوگا۔ حسین کی روح اس باب میں بھی شرمندہ نہ ہونی چاہیے۔ اقبال اس پر نوحہ کرتے ہیں :

ریگ عراق منتظر کشت حجاز تشنہ کام
خون حسین باز دہ کوفہ و شام خویش را

* * *

قافلۂ حجاز میں ایک حسین بھی نہیں
گرچہ ہے تابدار ابھی گیسوئے دجلہ و فرات

اپنی ملت کو صلائے عام دیتے ہیں :

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیری

اقبال جہاں سلطان شہید فتح علی ٹیپوؒ کا مرثیہ کہتے ہوئے اس کی سادگی اور حق پر مر مٹنے کی عادت کا ذکر کرتے ہیں ، وہاں اسے مسلک شبیر پر گامزن قرار دیتے ہیں۔ عشق رسولؐ کی برکت سے سلطان شہید سیدالشہدا امام حسین کے جذبۂ ایثار و قربانی کا وارث قرار پاتا ہے :

از نگاہ خواجۂ بدر و حنین فقر سلطاں وارث جذب حسین

مسلمانوں کی تاریخ انفرادی اور اجتماعی قربانیوں سے عبارت ہے :

گرمیٔ ہنگامۂ بدر و حنین حیدر و صدیق و فاروق و حسین

لیکن اقبال کے نزدیک قربانی کا جو معیار حسین نے پیش کر دیا وہ تا ابد سنگ میل ثابت ہوگا اور قوم کی حیات تازہ کے سامان اس وقت تک نہیں ہو سکتے جب تک اس قوم کا ہر فرد اس نکتے کو نہیں پا لیتا کہ قوم کی کشت ویراں کو خون شبیر سے سیراب کرنا ہوگا :

قلندر میل تقریرے نہ دارد بجز ایں نکتہ اکسیرے نہ دارد
ازاں کشت خرابے حاصلے نیست کہ آب از خون شبیرے نہ دارد

اقبال حسین کی آفاقی اور ہمہ گیر صفات کے واله و شیدا تھے ، اس لیے کہ یہی

صفات ہیں جو مسلمان تو کیا ساری انسانیت کے لیے دلیلِ راہ بن سکتے ہیں ۔ رومی کی زبان میں یہی مسلک زوال آمادہ قوم کی فلاح کا ضامن ہے :

تیر و سناں و خنجر و شمشیرم آرزوست
با من میا کہ مسلکِ شبیرم آرزوست

کربلا پر قیامت گزر جانے کے بعد جب حُسین کا لٹا پٹا قافلہ اس مقام سے گزرا جہاں حُسین اور دوسرے تمام شہدا کی لاشیں بے گور و کفن میدانِ کربلا میں ریزہ ریزہ پڑی تھیں ، تو قافلے میں کہرام برپا ہو گیا ۔ زینب نے روتے ہوئے روحِ محمدؐ کو آواز دے کر کہا :

''اے محمد ! جن پر ملائک آسمان سے درود بھیجتے ہیں ، دیکھیے ، یہ حُسین خاک و خون میں آلودہ ٹکڑے ٹکڑے چٹیل میدان میں پڑا ہے ۔ آپ کی بیٹیاں قیدی ہیں ۔ آپ کی اولاد مقتول ہے اور ہوا اُن پر خاک اڑا رہی ہے ۔''

یہ منظر اقبال کی نظر میں پھر جاتا ہے اور وہ بے ساختہ کہتے ہیں :

اے صبا ، اے پیکِ دور افتادگاں
اشکِ ما بر خاکِ پاک او رساں

فلسطین رپورٹ

میو روڈ لاہور
۲۰ جولائی ۱۹۳۷

مائی ڈیر مس فارقوہرسن

۔۔۔ میرے خیال میں اب وقت آ گیا ہے کہ نیشنل لیگ آف انگلینڈ وقت شناسی کا ثبوت دے اور اہلِ برطانیہ کو عربوں کے خلاف جن سے برطانوی سیاست دانوں نے اہلِ برطانیہ کے نام سے حتمی وعدے کیے تھے ناانصافی کے ارتکاب سے بچانے ۔۔۔۔ پرنس محمد علی مصری نے ایک معقول تعمیری تجویز پیش کی ہے جو ہر طرح اہلِ برطانیہ کے لیے لائقِ توجہ ہے ۔ ہمیں یہ کبھی بھی فراموش نہ کرنا چاہیے کہ فلسطین انگلستان کی کوئی ذاتی جائداد نہیں ۔ فلسطین تو انگلستان کے پاس جمیعۃ الاقوام کی طرف سے زیرِ انتداب ہے اور مسلم ایشیا لیگ آف نیشنز کو انگریزوں اور فرانسیسیوں کا ایک ایسا ادارہ سمجھتا ہے جسے انھوں نے کمزور مسلم سلطنتوں کے علاقوں کی تقسیم کے لیے وضع کر رکھا ہے ۔

فلسطین پر یہودیوں کا بھی کوئی حق نہیں ۔ یہودیوں نے تو اس ملک کو رضا مندانہ طور پر عربوں کے فلسطین پر قبضہ سے بہت پہلے اسے خیر باد کہہ دیا تھا ۔

صیہونیت بھی کوئی مذہبی تحریک نہیں ۔ علاوہ اس امر کے کہ مذہبی یہودیوں کو صیہونیت سے کوئی دلچسپی نہیں ، خود فلسطین رپورٹ نے اس امر کو روزِ روشن کی طرح واضح کر دیا ہے ۔۔۔۔

بحیثیتِ مجموعی رپورٹ کا منشا مقاماتِ مقدسہ کا عربوں سے بجبر مستقل انتداب کی صورت میں جو کمیشن نے برطانوی سامراجی ہوس کی پردہ پوشی کے لیے وضع کیا ہے خرید لینا ہے ۔ اس فروخت کی قیمت عربوں کے لیے تھوڑا سا روپیہ اور ان کی سخاوت و مردانگی کا ایک قصیدہ اور یہودیوں کا ایک علاقہ پر قبضہ ہے ۔ مجھے اُمید ہے کہ برطانوی مدبرین عربوں کے خلاف صریح عناد کی پالیسی سے دستکش ہو کر ان کا ملک ان حوالے کر دیں گے ۔۔۔۔

آپ کا مخلص
محمد اقبال*

*منقول از شیخ عطاء اللہ ، مرتب ، ''اقبال نامہ'' (شیخ محمد اشرف ، لاہور) ، حصۂ اول ، صفحات ۴۴۵-۴۴۶ ۔